رُوداد اجتماع دربھنگہ

از سید عبدالعزیز صاحب شرقی

[افسوس ہے کہ جگہ کی قلت کے باعث اس مرتبہ "اخبارات" درج نہیں کیے جا سکے تاکہ اجتماع دربھنگہ کی پوری روداد ایک ہی اشاعت میں درج ہو جائے۔ ایڈیٹر]

حسب اعلان ۲۱، ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو شرقی یوپی اور بہار کے ارکانِ جماعت کا اجتماع دربھنگہ میں منعقد ہوا جس میں حسب ذیل ارکان شریک ہوئے:۔

مرکز سے مولانا مودودی صاحب (امیر جماعت) اور سید عبدالعزیز شرقی۔ لاہور سے جناب نصراللہ خاں صاحب عزیز مدیر مسلمان۔ الٰہ آباد سے ڈاکٹر تدبیر علی صاحب زیدی، محمد اسحاق صاحب و عبدالرشید صاحب۔ سرائے میر سے مولانا امین احسن صاحب و مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی۔ پٹنہ سے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی، تقی الدین صاحب نعمانی، حافظ محمد عثمان صاحب، ڈاکٹر نورالعین صاحب اور ڈاکٹر غیاث الدین صاحب۔ مونگیر سے جناب فضل الرحمٰن صاحب (سابق وکیل)۔ دربھنگہ سے سید محمد حسنین صاحب جامعی۔

ارکان کے علاوہ آٹھ دس ہمدردانِ جماعت بھی مختلف مقامات سے آ گئے تھے۔

اجتماع کے لیے دربھنگہ کی آبادی سے ڈیڑھ دو میل دور سرسبز کھیتوں کے درمیان ایک الگ تھلگ مقام تجویز کیا گیا تھا تاکہ سکون کے ساتھ کام کیا جا سکے۔ ۲۱ اکتوبر کی صبح کو پہلی نشست ہوئی۔ تلاوتِ قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے ارکانِ جماعت کا ایک دوسرے سے تفصیلی تعارف ہوا۔ اس کے بعد مولانا مودودی صاحب نے ایک افتتاحی تقریر کی اور حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی:۔

۱۔ تحریک اس وقت کس مرحلہ پر ہے؟

۲۔ ارکان اور جماعتوں کی حالت کیا ہے ؟

۳۔ کس نوعیت کی مشکلات درپیش ہیں ؟

۴۔ مالی حالات کیسے ہیں ؟

۵۔ کام کو کس نقشہ پر آگے بڑھانا مدنظر ہے ؟

۶۔ ہماری تحریک اور دوسری تحریکوں کی نوعیت میں فرق کیا ہے ؟

۷۔ کس قسم کے کام اصل انقلابی حرکت سے پہلے کرنے ضروری ہیں ؟

۸۔ بعض ارکان جماعت میں جو سرد مہری پائی جاتی ہے اس کے اصل وجوہ کیا ہیں ؟

۹۔ کن غلط فہمیوں کے ماتحت محدود پروگراموں کا مطالبہ کیا جا رہا ہے ؟

پوری تقریر کو لفظاً بلفظ یہاں نقل کرنا تو مشکل ہے البتہ جماعت کی رہبری کے لیے تقریر کے ضروری حصے یہاں پیش کیے جاتے ہیں :۔

"ہماری تحریک اس وقت چند ارتقائی منازل کو عبور کرتی ہوئی اس مرحلہ پر پہنچ گئی ہے کہ جہاں تک ہمارے نصب العین کا تعلق ہے، ہندوستانی مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اس سے متاثر ہو چکی ہیں اور وہ بات جسے تین چار سال پہلے ہماری سیاسی اور مذہبی جماعتیں زبان پر لانے کے لیے تیار نہیں تھیں، اب اسے بیشتر جماعتیں اپنا نصب العین قرار دینے لگی ہیں۔ لیکن یہ چیز خواہ ہمارے لیے کتنی ہی باعث مسرت ہو، ہمیں اس پر مطمئن نہیں ہو جانا چاہیے، کیونکہ جہاں تک مسلم جماعتوں کا تعلق ہے، وہ بڑی آسانی سے اس نصب العین کو قبول کر لیتی ہیں مگر اسی آسانی سے اس نصب العین کے مخصوص طریق کار اور ذمہ داریوں اور اخلاقی مقتضیات کو قبول نہیں کر سکتیں۔ اس وقت یہ خطرہ درپیش ہے کہ کہیں یہ نصب العین ہنگامہ پسند جماعتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر نہ رہ جائے اور وہ اس کو ایک سنجیدہ مقصد حیات کی حیثیت سے لے کر اٹھنے کے بجائے دنیا کے سامنے ایک لطیفہ نہ بنا دیں۔ لہٰذا اب زور اس پہلو پر دینے کی ضرورت ہے کہ اس نصب العین کے لیے جدوجہد کرنا تو درکنار، اس کا نام زبان پر لانے کے لیے بھی اعلیٰ درجہ کے کیرکٹر کی ضرورت ہے۔ اس پہلو

سے نشرِ افکار کی مہم اس زور سے شروع ہو جانی چاہیے کہ حکومتِ الٰہیہ کا نعرہ بلند کرنے والی جماعتیں دیانتدارانہ طریقہ کی اُس کی اخلاقی ذمہ داریوں کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں اور اس نعرہ کے اقتضا کے مطابق کام کریں۔ یا اگر انہیں کسی دوسرے راستہ ہی پر چلنا ہو تو عوام فریبی سے باز آ جائیں۔

خطرہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پچھلے پچیس تیس سال سے مسلمانوں کی سیاسی تربیت بہت غلط طرز پر ہوئی ہے۔ ان کی مستقل اجتماعی خصلت یہ بن گئی ہے کہ ایک تخیل پر ٹھوس کام کرنے کے بجائے کسی نقشۂ کار (Plan) کو مرتب کیے بغیر شور مچا دیتے ہیں۔ یہ غلط طرزِ تحریک جو جمود سے کچھ کم مضر نہیں ہے بہت مقبولِ عوام ہے لیکن ہم اسے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں تحریک کا پورا نقشۂ کار مرتب کرنے (Planning) سے پہلے دعوت کو ہنگامہ پسند عوام تک پہنچانے سے احتراز کرنا ہے۔ خوب سوچ لیجیے کہ جس میدانِ جنگ میں آپ اتر رہے ہیں اس میں دشمن کے مورچے کدھر کدھر اور کس ترتیب سے پھیلے ہوئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں آپ کو کس طرز پر مورچہ بندی کرنی ہے، آپ کے کمزور پہلو کون کونسے ہیں، آپ کی جمعیت کو کس کس پہلو سے مضبوط ہونا چاہیے، پیش قدمی کدھر سے ہو اور کس رفتار سے ہو۔ غرض یہ کام ہلڑ مچانے سے نہیں ہوگا۔ اس کے لیے تو ایک ہشیار جنرل کی دوربینی و وسیع النظری ہو اس کے ساتھ ایک نظامِ اطاعت میں جکڑی ہوئی جمعیت کی جد و جہد مطلوب ہے۔

"موجودہ مرحلہ کی نزاکت کچھ اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ جہاں تک بنیادی افکار کا تعلق ہے ان کو پھیلانے میں ہم بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں لیکن ہمارے پاس ایسی بصیرت اور ایسی اعلیٰ قابلیتیں رکھنے والا ایک منظم گروہ مہیا نہیں ہو سکا ہے جو دنیا کے سامنے ان عملی تفصیلات کو پیش کر سکے جن کی مانگ ہمارے ان افکار پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے والے لوگوں میں فوراً پیدا ہو جاتی ہے۔ جب لوگ ہم سے اجتماعی زندگی کا وہ تفصیلی نقشہ مانگنے لگتے ہیں جو ہمارے نظامِ فکر کی بنیاد پر بننا چاہیے تو ہم اسے پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ محض اس لیے کہ ان تفصیلات کو مرتب کرنا ایک شخصِ واحد کے بس کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے صاحبِ فکر محققین کا ایک گروہ درکار ہے جو پیہم محنت اور کاوش سے اس کام کو انجام دیتا رہے۔"

"ہماری دعوت پر لبیک کہنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد روشن اور تاریک دونوں پہلو رکھتی ہے۔ روشن پہلو یہ کہ ہماری طرف مسلمانوں کا وہی عنصر کھنچ رہا ہے جو صالح اور کارآمد ہے۔ ہماری پکار پر جو لوگ "نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہ" کہہ کر جمع ہو رہے ہیں ان میں ایک نہایت خوشگوار اخلاقی تغیر پایا جاتا ہے۔ لیکن اس روشن پہلو کے ساتھ تاریک پہلو یہ ہے کہ ارکانِ جماعت میں صبر اور اپنے مقصد سے گہری وابستگی اور اپنے "ہولناک عہد" کی ذمہ داریوں کے احساس میں کمی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بہت جلدی سرد مہری پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اگر پیہم اکسانے اور گرمانے کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ گویا اگر اکسانے والا نہ ہو اور کوئی دلچسپ کام ان کو فوراً نہ بتا دیا جائے تو "اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ" کی صورت بہت آسانی سے رونما ہو سکتی ہے۔ ہمارے ارکان میں یہ تصور پوری شدت سے کار فرما نہیں ہے کہ شعور و ادراک اور احساس ذمہ داری کے ساتھ شہادتِ توحید و رسالت ادا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کا عہد کسی شخص یا جماعت کے ساتھ نہیں بندھ رہا ہے بلکہ خدا کے ساتھ بندھ رہا ہے اور اس شہادت کے ساتھ جو نصب العین خود بخود مسلمانوں کی زندگی کا قرار پا جاتا ہے اس کے لیے کام کرنا شہادت ادا کرنے والے کا اپنا فریضہ بن جاتا ہے۔ دوسرا ایک تاریک پہلو ہمارے جماعتی نظام میں یہ ہے کہ اطاعتِ امر کی کمی پائی جاتی ہے۔ نیز ارکانِ جماعت میں باہم وابستگی اور تعاون میں نمایاں ترقی نہیں ہوئی اور ابھی تک ایسے لوگ ہم کو نہیں ملے ہیں جو مقامی امارتوں کے فرائض اچھی طرح سمجھیں اور مقامی جماعتوں کے ارکان سے صحیح طرز پر کام لے سکیں"۔

"مشکلات کا جائزہ لینے سے تین چیزیں بہت نمایاں نظر آتی ہیں۔ اولاً ہمارے پاس مردانِ کار کی بہت کمی ہے۔ دوسرے ذرائع و وسائل بہت محدود ہیں اور جنگ کی معاشی تاخت نے تو انھیں صفر کے درجہ تک پہنچا دیا ہے تیسری مشکل جو اسی دوسری مشکل سے پیدا ہوئی ہے یہ ہے کہ تعمیری کام کرنے والے لوگوں کا جو محدود سا ذخیرہ جماعت کے ہاتھ آیا ہے وہ بالکل منتشر ہے اور اسے سمیٹنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ کچھ پرزے ہیں جو ہندوستان کے وسیع حدود میں بکھرے پڑے ہیں۔ انھیں جمع کر کے جوڑ دینے کی اسکیم بر سر عمل نہیں آ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو مرکز کا فکری "پاور ہاؤس" مکمل ہو سکا ہے، نہ عملی کارروائیوں کی ضروری مشینیں باضابطہ طور پر نصب ہو سکی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس صورتِ حالات سے بعض

اسباب پر ہماری دسترس نہیں ہے لیکن جماعت اس سلسلہ میں ذمہ داری سے بالکل بری بھی نہیں ہے۔ ہمارے رفقار میں مالی ایثار کا جذبہ بہت کم بلکہ صفر کے برابر ہے۔ ابھی تک مقصد حیات کے لیے روپیہ صرف کرنا لوگوں نے نہیں سیکھا اور انفاق فی سبیل اللہ کا ولولہ ناپید ہے۔ ممکن ہے کہ دوسری جماعتوں کی طرح اگر چندہ کی اپیلوں سے لوگوں کو ٹھیلا جاتا رہے اور "اُدْخُلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ" کی صدا لگائی جاتی رہے تو یہ کمی پوری ہو جائے لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ لوگ خارجی تحریک کے محتاج ہو کر رہ جائیں۔ ہماری تحریک کا مخصوص مزاج یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ کیا جائے اندرونی تحریک سے کیا جائے۔ جس طرح ایک فرد اپنی بقار کے لیے بغیر کسی خارجی تحریک کے معدہ کو غذا بہم پہنچاتا ہے اسی طرح جماعت کو اپنے جماعتی معدہ یعنی بیت المال کی بھوک کا خود احساس کرنا چاہیئے ورنہ زندگی کی حرکت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکے گی۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے ارکان بیشتر وہی لوگ ہیں جو معاشی اعتبار سے کچھ زیادہ خوش حال نہیں ہیں لیکن اس امر کو نہ بھولنا چاہیے کہ اس دعوت نے کبھی آغاز میں خوش حال لوگوں کو اپیل نہیں کیا ہے۔ پہلے بھی زیادہ تر ایسے ہی لوگ اس کی طرف کھنچتے رہے ہیں جن کی مالی حالت بہتر نہ تھی۔ دراصل مالی ایثار کے جذبہ کا تعلق جیب کے ثقل سے اتنا زیادہ نہیں ہے جتنا دل کی لگن سے ہے۔ اسی لگن میں کمی معلوم ہوتی ہے۔

تاہم مالی حالت بالکل مایوس کن نہیں ہے۔ اس بدحالی کے زمانہ میں بھی کچھ نہ کچھ کام ہو رہا ہے لیکن بیت المال اس پوزیشن میں بھی نہیں ہے کہ کوئی بڑا کام شروع کیا جا سکے۔ جتنی تعمیری اسکیمیں مدنظر تھیں، معرض التوا میں ہیں۔ سب سے بڑا ذریعہ آمدنی بکڈپو تھا مگر کاغذ کی گرانی اور نایابی اس کی جان کی لاگو ہو گئی ہے۔ باہر سے جو رقمیں اعانت کے لیے بلا طلب آیا کرتی تھیں ۱۹۴۲ء کی بہ نسبت ۱۹۴۳ء میں ان کے اندر نمایاں کمی آگئی ہے۔ ان حالات کو مدنظر رکھ کر ہر رفیق کو اپنی جگہ سوچنا چاہیے اور اپنے احساس ذمہ داری سے استفتا کرنا چاہیے کہ اس کا فرض کیا ہے۔

"اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ارکان کو اپنی تحریک اور دوسری تحریکوں کے فرق کا پورا پورا شعور نہیں ہے۔ حالانکہ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک عام تحریکوں سے بنیادی اختلافات

رکھتی ہے۔ اولاً یہ کہ اس کے سامنے پوری زندگی کا مسئلہ ہے، زندگی کے کسی ایک پہلو کا نہیں۔ ثانیاً یہ کہ خارج سے پہلے یہ باطن سے بحث کرتی ہے۔ جہاں تک پہلے پہلو کا تعلق ہے، ہمارے سامنے کام اتنا بڑا اور اتنا اہم ہے جو اسلامی تحریک کے سوا دنیا کی کسی تحریک کے سامنے نہیں ہے اور ہم اس جلد بازی کے ساتھ کام نہیں کر سکتے جس جلد بازی سے دوسرے کر سکتے ہیں۔ پھر چونکہ ہمارے لیے خارج سے بڑھ کر باطن اہمیت رکھتا ہے اس وجہ سے محض تنظیم اور محض چھوٹے سے ضابطہ بند پروگرام پر لوگوں کو چلانے اور عوام کو کسی ڈھرّے پر لگا دینے سے ہمارا کام نہیں چلتا۔ ہمیں عوام میں عمومی تحریک (Mass-movement) چلانے سے پہلے ایسے آدمیوں کو تیار کرنے کی فکر کرنی ہے جو بہترین اسلامی سیرت کے حامل ہوں اور ایسی اعلیٰ درجہ کی دماغی صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں کہ تعمیرِ افکار کے ساتھ اجتماعی قیادت کے دوسرے فرائض کو سنبھال سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں عوام میں تحریک کو پھیلا دینے کے لیے جلدی نہیں کر رہا ہوں بلکہ میری تمام تر کوشش اس وقت یہ ہے کہ ملک کے اہلِ دماغ طبقوں کو متاثر کیا جائے اور ان کو کھنگال کر صالح ترین افراد کو چھانٹ لینے کی کوشش کی جائے جو آگے چل کر عوام کے لیڈر بھی بن سکیں اور تہذیبی و تمدنی معمار بھی۔ یہ کام چونکہ ٹھنڈے دل سے کرنے کا ہے اور ایک عمومی تحریک کی طرح فوری ہل چل اس میں نظر نہیں آسکتی ہے، اس وجہ سے نہ صرف ہمارے ہمدرد و ہمخیال لوگ بلکہ خود ہمارے ارکان تک بددل ہونے لگتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ارکان جماعت کام کے اس نقشہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنی قوتیں بددلی کی نذر کرنے کے بجائے کسی مفید کام میں استعمال کریں۔

یہ اعتراض بجا ہے کہ کثیر التعداد عوام کو اس نقشہ کے مطابق بلند سیرت بنانے کے لیے مدت مدید درکار ہے۔ مگر ہم اپنے انقلابی پروگرام کو عوام کی کامل اصلاح کے انتظار میں ملتوی کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارے پیشِ نظر صرف یہ نقشہ ہے کہ عوام کی سربراہ کاری کے لیے ان کی قوتوں کو راہِ حق میں استعمال کرنے کے لیے ایک ایسی مختصر جماعت فراہم کر لی جائے جس کا ایک ایک فرد اپنے بلند کیرکٹر کی جاذبیت سے ایک ایک علاقہ کے عوام کو سنبھال سکے۔ اس کی ذات عوام کا مرجع بن جائے اور کسی مصنوعی کوشش کے بغیر بالکل فطری طریقہ سے عوام کی لیڈرشپ کا منصب اسے حاصل ہو جائے۔ مگر صرف مرجعیت مفید نہیں ہے۔ اس مرجعیت سے کام لینے کے لیے دماغی صلاحیتیں بھی ہونی چاہییں تاکہ ان مرکزی شخصیتوں کے ذریعہ سے

عوام کی قوتیں مجتمع اور منظم ہو کر اسلامی انقلاب کی راہ میں صرف ہوں۔ ایک ٹھوس، پائیدار اور ہمہ گیر انقلاب کے لازمی ابتدائی مرحلہ یہی ہے۔ اس مرحلہ کو صبر سے طے کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ تحریک کی تباہی ناگزیر ہے۔ اگر موجودہ حالات میں عوام کو اکسا دیا جائے جبکہ عوام کو سنبھال کر لے چلنے والے مقامی رہنما (Sub-leaders) موجود نہیں ہیں تو عوام بالکل بے راہ روی پر اتر آئیں گے اور اپنے آپ کو نااہل لوگوں کے حوالے کر دیں گے"۔

"عمومی تحریک Mass-movement کے آغاز سے پہلے چند تعمیری کام کر لینے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ ہم اپنے تعلیمی پروگرام کی بنا ڈال دیں، کیونکہ ضروری نہیں کہ ہم اپنی زندگی میں اپنے نصب العین تک پہنچ جائیں۔ اس لیے ہمیں ابھی سے یہ فکر کرنی چاہیے کہ ہم اپنی جگہ اپنے سے بہتر کام کرنے کے لیے آئندہ نسل کو تیار کرنا شروع کر دیں۔ دوسرے ہمیں اہل قلم کا ایک ایسا لشکر تیار کر لینا چاہیے جو علوم و فنون اور ادب کے ہر پہلو سے نظام حاضر پر حملہ آور ہو سکے۔ کچھ سیاسی مفکر ہوں جو حال کی کافرانہ ریاست کے مکروہ خدوخال کو خوب نمایاں کریں، کچھ معاشی ماہرین ہوں جو رائج الوقت معاشی تنظیم کے عیوب کو کھولیں، کچھ علمائے قانون کی ضرورت ہے جو انسانی قوانین کی بے اعتدالیوں کو نمایاں کریں، اخلاق و نفسیات کے کچھ حکماء چاہییں جو عہد حاضر کے علم النفس اور علم الاخلاق کی کوتاہ بینیوں کی نشان دہی کریں، اور اس تخریبی کارروائی کے ساتھ ساتھ یہ لوگ علوم کی نئی تدوین کا تعمیری کام بھی سنبھالیں۔ ان مجتہد مفکرین کو مدد بہم پہنچانے کے لیے ادیبوں، افسانہ نگاروں اور ڈرامہ نویسوں کا ایک گروہ بھی ضرور ہونا چاہیے جو فکری میدان کارزار میں "گوریلا وار" لڑتا رہے۔ تیسرا تعمیری کام ہمیں یہ کرنا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے عمومی تحریک کو چلانے کے لیے کارکنوں اور رضاکاروں کی تربیت کی جائے۔ ہمیں مقرروں سے لے کر خاموش کارکنوں تک بالکل نئی وضع کے کارندے درکار ہیں جن کے اندر خشیۃ اللہ کی روح طاری و ساری ہو۔ ان تین شعبوں میں جس کم سے کم تعمیری کام کی ضرورت ہے اس کو انجام دینے سے پہلے یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ ہم عوام میں انقلابی دعوت پھیلانے کے لیے کوئی کامیاب اقدام کر سکتے ہیں"۔

"کام کے اس نقشہ کو اب تک سمجھا نہیں گیا ہے اور آنکھیں انہیں تحریکوں سے واقف ہیں جو پچھلے ۲۰، ۲۵

برس سے چلتی رہی ہیں، اس لیے لوگ بجائے اس کے کہ ان پہلوؤں میں اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو تیار کرنے پر اپنی قوتوں کو صرف کریں، وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کوئی چلتا پھرتا کام فوراً ہونے لگے اور جب وہ ہوتا نظر نہیں آتا تو ان کے اوپر مایوسی طاری ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ بہت سے ارکان جماعت ایسے ہیں جنھوں نے مجھ سے بالمشافہہ اور بالمراسلہ یہ سوال کیا ہے کہ ہمارے لیے پروگرام کیا ہے اور ہم کیا کیا کریں؟ یہ پروگرام کا مطالبہ اور یہ تصور کہ ان لوگوں کو کرنے کے لیے کوئی کام بتایا نہیں گیا، اس کی بنا بھی یہی ہے کہ ہمارے رفقاء ابھی تک پوری طرح سے نہیں سمجھے ہیں کہ جس تحریک کی خدمت کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے اُس کی نوعیت کیا ہے۔ درحقیقت مسلمان کو اگر اس امر کا پورا شعور حاصل ہو کہ اس دنیا میں اس کی حیثیت کیا ہے اور اس کی ذمہ داری کتنی بھاری ہے تو اسے خود بخود معلوم ہو جائے کہ اس کی پوری زندگی کے لیے ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر پروگرام موجود ہے جس پر اگر وہ پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ عمل کرے تو اسے ایک لمحہ کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔

ہر شخص کو بہت سی جسمانی اور ذہنی قوتیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ بہت سے اسباب زندگی بطور امانت اس کی تحویل میں دیے ہیں۔ بہت سے انسانوں کے ساتھ اسے تعلقات کے رشتوں میں باندھا ہے اور ان رشتوں کے لحاظ سے مختلف ذمہ داریاں اس پر عائد کی ہیں۔ خدا کے سامنے ہر شخص کی ذمہ داری اس لحاظ سے ہے کہ وہ اپنی ان قوتوں کو کس طرح استعمال کر رہا ہے اور خدا کی سپرد کی ہوئی امانتوں میں کن طریقوں سے تصرف کر رہا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے پروگرام یہی ہے کہ ہر وقت اپنا حساب لے کر دیکھتا رہے کہ اس عظیم الشان ٹرسٹ کا ٹرسٹی ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے فرائض کو کہاں تک انجام دے رہا ہے اور ان میں خدا کے منشاء کو پورا کرنے میں کس حد تک کامیاب ہے؟ مثلاً اگر کوئی شخص صرف اپنی قوت گویائی کے حساب ہی پر متوجہ رہے اور ہمہ اس کوشش میں لگا رہے کہ زبان کی طاقت جس مقصد کے لیے اللہ نے اس کو عطا کی تھی اس کو کہاں تک پورا کر رہا ہے اور اس عطیہ کے ساتھ جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں ان کو کہاں تک نباہ رہا ہے تو شاید اس سمت کے پروگرام سے ہی اس کو اتنی فرصت نہ ملے کہ اس کے بعد کسی دوسرے پروگرام کے پوچھنے کی اس کو ضرورت پیش آئے۔ یہی حال دوسری بے شمار قوتوں کی ذمہ داریوں کا ہے۔

اگر میں چند چھوٹے موٹے کاموں کو بطور پروگرام کے آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دوں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ اس بڑے اور ہمہ گیر پروگرام سے جس کی بے شمار مدات ہیں اور جس پر زندگی کے ہر سانس میں آپ کو عمل کرنا ہے، آپ غافل ہو جائیں گے اور سمجھیں گے کہ اصل کرنے کا کام وہ چند اعمال ہیں جو ایک چھوٹے سے لائحۂ عمل میں آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں۔ اس لیے میں شدید اور پے در پے مطالبوں کے باوجود ایسی کوئی چیز پیش کرنے سے سخت احتراز کرتا رہا ہوں اور آئندہ بھی احتراز کروں گا۔

میری انتہائی کوشش یہ ہے کہ ہر شخص جو جماعت میں داخل ہو وہ اس بڑے پروگرام کو سمجھے اور اس پر عملدرآمد کرے جو شعوری مسلمان ہونے کے ساتھ ہی آپ سے آپ اس کی زندگی کے لیے قرار پا جاتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اپنے رفقاء سے بسا اوقات اس قسم کی باتیں سنتا ہوں کہ "ہمارے لیے کرنے کا کام کیا ہے؟" میں پوچھتا ہوں کہ کیا اپنی تمام کمزوریوں کو آپ دور کر چکے ہیں اور اپنے نفس کو کامل طریقہ پر اللہ کا بندہ بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں؟ کیا اپنی زندگی کو جاہلیت کے ہر شائبہ سے آپ پاک کر چکے ہیں؟ کیا اُن تمام حقوق کی ادائیگی سے بھی آپ فارغ ہو چکے ہیں جو اللہ اور اس کے دین کی طرف سے آپ کے دماغ پر، آپ کے دل پر، آپ کے اعضاء و جوارح پر، آپ کی ذہنی و جسمانی قوتوں پر اور آپ کے مملوکہ اموال پر عائد ہوتے ہیں؟ اور کیا آپ کے گرد و پیش کوئی انسان بھی خدا سے غافل یا گمراہ یا دینِ حق سے ناواقف یا اخلاقی پستیوں میں گرا ہوا نہیں رہا ہے جس کی اصلاح کا فرض آپ پر عائد ہوتا ہو؟ ــــ اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کے اندر تخیل کہاں سے گیا کہ آپ کے لیے کرنے کا کوئی کام نہیں رہا ہے اور اب آپ کو کچھ اور کام بتایا جائے جس میں آپ مشغول ہوں۔ یہ سارے کام تو آن ہوئے پڑے ہیں جو آپ سے ہر وقت کا شدید انہماک چاہتے ہیں اور اگر آپ ان کو اس طرح انجام دینا چاہیں جیسا کہ ان کا حق ہے تو آپ کو ایک لمحہ کے لیے دم لینے کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔ مگر چونکہ آپ کو ابھی تک پچھلی مذہبی تحریکوں کے طور طریقوں کی چاٹ پڑی ہوئی ہے اور آپ کے اندر پوری طرح اسلامی تحریک کا احساس بیدار نہیں ہوا ہے اس لیے کام نہ ہونے کی اور پروگرام کے فقدان کی شکایتیں آپ کی زبان پر آتی ہیں ــــ ان شکایتوں کے دفعیہ کی صورت میرے لیے یہی ہے کہ کام اور پروگرام بتانے کے بجائے میں آپ لوگوں میں صرف اُس احساس ذمہ داری اور اس شعورِ اسلامی کو بیدار کرنے

کی کوشش کروں جس کے بعد کبھی نہ ختم ہونے والے کام اور دائماً منہمک رکھنے والے پروگرام کا نقشہ خود بخود آپ کے سامنے آسکتا ہے"۔

"ارکانِ جماعت کی طرف سے بار بار اس خواہش کا اظہار ہوتا رہتا ہے کہ مرکز سے پیہم ان کو ہدایات ملتی رہیں اور جماعتی کارروائیوں کے سلسلہ میں لوگوں کو پیہم حرکت دی جاتی رہے۔ میں اس طریقِ کار کو صحیح نہیں سمجھتا۔ میری کوشش یہ ہے کہ ہر جگہ مقامی جماعت کے نظام کو چلانے کے لیے ایسے لوگ ہونے چاہییں جن میں خود قوتِ کارکردگی (Initiative) موجود ہو اور جو اپنے فرائض کو خود سمجھنے اور ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ لگے بندھے کاموں کو مقرر طریقوں کے مطابق انجام دیتے رہنے کی عادت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اصول اور طریق کار سمجھا دوں اور اصولی ہدایات دے کر چھوڑ دوں۔ اس کے بعد ارکانِ جماعت اور خصوصاً مقامی جماعتوں کے امراء کو خود اپنے کام کو سمجھنا اور انجام دینا چاہیے۔ جہاں کسی قسم کی مشکلات پیش آئیں، کہیں کوئی پیچیدگی پیدا ہو یا کوئی نئی اسکیم وہ اپنے حلقہ میں عمل میں لانا چاہتے ہوں وہاں وہ مجھ سے رجوع کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر وقت اس انتظار میں رہنا کہ ہدایات ملیں اور ٹھیلا اور اکسایا جاتا رہے اور نگرانی اور پاسبانی ہوتی رہے، یہ اس تحریک کو چلانے کے لیے کوئی مفید صورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اس راہ پر چلنے کے لیے مستقل طور پر کسی حرکت اور ہدایت دینے والے کے محتاج رہیں گے اور اگر کسی وقت وہ ہٹ گیا تو اُلٹے پاؤں پھر جائیں گے۔ کم از کم ہمارے ابتدائی کارکن جو سابقین اولین کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی تو یہ صفت ہونی چاہیے کہ ان میں سے ہر شخص کے اندر یہ داعیہ موجود ہو کہ اگر کوئی اس راہ پر چلنے والا نہ ہو تو نہ صرف وہ خود حرکت کریں گے بلکہ دوسروں کو بھی حرکت دیں گے"۔

"منجملہ ان غلط فہمیوں کے جو آج کل عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں میں بعض مخصوص طرز کے کاموں کی اہمیت کا ایک غیر متناسب تصور پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ بس ہر شخص اسی طرز کے کام کرے اور لفظ "کام" کے معنی یہی سمجھے جاتے ہیں کہ ہو تو بس وہی کام ہو۔ مثلاً دیہات کا چکر لگانا یا عوام میں دعوت پھیلانا وغیرہ۔ اب قطع نظر اس کے کہ کسی شخص میں دیہاتیوں سے خطاب کرنے اور عوام کی اصلاح کرنے کی اہلیت ہو

یا یہ ہو، لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو شخص بھی کام کرنے کے لیے اٹھے وہ یہی کام کرے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے کام جو اپنے وزن اور نتائج کے لحاظ سے دیہاتیوں کی اصلاح اور عمومی دعوت سے کچھ کم اہم نہیں ہیں بلکہ بہت زیادہ عظیم الشان ہیں، ان کی اہمیت کو نہیں سمجھا جاتا۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس غلط تصورِ عمل سے ہمارے رفقاء بھی بہت کچھ متاثر ہیں اور بعض لوگوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ اپنی قابلیتوں کو سمجھے بغیر بس وہ کام کریں جسے دینا لفظ کام سے تعبیر کرتی ہے۔ اس چیز کی غلطی اچھی طرح سمجھ لیجیے اور اس میں مبتلا ہونے سے بچیے۔

دراصل اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر شخص سے اس عبادت کا مطالبہ کرتا ہے جس کی صلاحیت اس نے اس کے اندر ودیعت کی ہے۔ جو جو قوتیں اللہ نے کسی شخص کو تفویض کی ہیں ان ساری قوتوں سے اس کو عبادت بجا لانی چاہیے اور جو خاص قوت کسی کو زیادہ عطا فرمائی ہے اس پر عبادت کا حق بھی بہ نسبت دوسری قوتوں کے زیادہ عائد ہوتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کو اللہ نے گویائی کی قوت زیادہ عطا کی ہو تو اس کے لیے اصل عبادت یہی ہوگی کہ اپنی زبان کو اعلائے کلمۃ اللہ کی خدمت میں استعمال کرے اور جسے تحریر کی نمایاں صلاحیت بخشی گئی ہو سب سے زیادہ اس کے قلم ہی پر فرائض عبودیت عائد ہوں گے۔ غرض ہر شخص کے ذمہ وہی کام ہے جس کی قوت خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اسے ودیعت کی ہو۔ اگر وہ اس کام کو چھوڑ کر کسی دوسرے ایسے کام میں اپنی قوتیں صرف کرتا ہے جس کی اہلیت اس میں نسبتاً کم ہے تو وہ اجر کا مستحق نہیں بلکہ اس کے مبتلائے وزر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

جب اللہ کے دین کی خدمت کے بے شمار پہلو ہیں اور ہر پہلو ایک اہمیت رکھتا ہے تو اشخاص کی مساعی کو کسی ایک دائرہ میں سمیٹنا قطعاً غلط ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم تعلیم و تدریس کے ماہرین، مصنفین، اہلِ صحافت، سب کو دیہات میں کام کرنے کے لیے بھیج دیں۔ ایسا ہی ایک تجربہ اشتراکی انقلاب کے علمبرداروں نے ابتداءً روس میں کیا تھا۔ انھوں نے اہلِ دماغ کا ایک بڑا لشکر مزدوروں اور کسانوں میں کام کرنے کے لیے پھیلا دیا لیکن کثیر لوگوں کی زندگیاں ایک غلط مصرف پر صرف کر دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا ہے غلط ہوا ہے۔ (باقی مضمون صفحہ ۵۰۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بقیہ مضمون صفحہ ۴۲۸)

یہ نارک دماغ لوگ دیہاتیوں کو انقلاب کے لیے تیار بھی نہ کر سکے اور دوسری خدمات سے بھی محروم رہے۔ ہم اس قسم کا تجربہ دہرانے کی ہمت نہیں رکھتے۔

اس گزارش کا مدعا یہ ہرگز نہیں ہے کہ دیہاتیوں میں کام نہ کیا جائے یا عوام کی اصلاح کا کام کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ جو لوگ اس کام کی صلاحیتیں رکھتے ہوں وہ ضرور اس میدان میں اپنی خدمات کو مصروف رکھیں اور عوام کو اپنے ساتھ کھینچ لے چلنے کی جدوجہد کریں۔ پہلے بھی ہمارے کچھ ارکان عوام میں تحریک کو پھیلانے کا تجربہ کر رہے ہیں اور ان کی عملی واقفیت سے فائدہ اٹھا کر دوسرے مقامات پر بھی یہ مہم شروع ہونی چاہیے۔ مگر جو لوگ دیہاتیوں اور عوام کی ذہنیت سے ناواقف اور ان سے خطاب کرنے کی اہلیت سے کورے ہوں اور اہلِ دماغ طبقہ کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں انھیں اپنی قوتیں اسی طبقہ کی اصلاح میں صرف کرنی چاہییں، اور اس طبقہ کی اصلاح کو کوئی معمولی درجہ کا کام نہ سمجھنا چاہیے۔ فی الواقع اس طبقہ کے ایک آدمی کی اصلاح، طبقۂ عوام کے ہزار آدمیوں کی اصلاح سے زیادہ وزنی ہے۔ علمی اور تعلیمی پہلو سے دین کی خدمت انجام دینے کی قابلیت رکھنے والے لوگ اپنے اوپر اور اپنے مقصدِ زندگی پر ظلم کریں گے اگر ان کاموں کو چھوڑ کر دیہات کے چکر لگانے لگیں گے یا مزدوروں کی بستیوں میں گھومنا شروع کر دیں گے۔ ہر آدمی اپنی صلاحیتوں کو سمجھے اور ان کے مطابق اپنے میدانِ کار کی حد بندی کرلے۔ اس طرح ہر پہلو کو مضبوط کر کے ہم کامیاب پیش قدمی کر سکیں گے۔"

اس تقریر کے بعد مختلف مقامات کی جماعتوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے حلقہ کی رپورٹیں پیش کیں اور تفصیل کے ساتھ بتایا کہ وہاں اب تک کیا کام ہوا ہے، کس قسم کے لوگ جماعت میں آئے ہیں، مقامی آبادی میں ہماری دعوت کا اثر کس حد تک پھیلا ہے، دعوت کی ترقی میں کس کس قسم کی مشکلات اور رکاوٹیں حائل ہیں اور دعوت کے کیا کیا طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔

یہ سلسلہ ابھی چل رہا تھا کہ پہلی نشست ختم ہو گئی۔ دوسری نشست اسی روز ظہر کے بعد ہوئی اور اس میں بھی ابتدا

کچھ وقت بقیہ رپورٹیں پڑھنے پر صرف ہوا۔ اس کے بعد ان رپورٹوں پر بحث و تبصرہ ہوتا رہا۔ جو کمزوریاں نظامِ جماعت میں نظر آئیں ان پر امیرِ جماعت نے گرفت کی اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ مثلاً بعض مقامات پر نامناسب یا خام آدمیوں کو بے احتیاطی کے ساتھ جماعت میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اس کے متعلق ہدایت دی گئی کہ اس طرح جو لوگ تحریک کو اچھی طرح سمجھے بغیر جماعت میں آ گئے ہیں اور جن کے اندر کوئی نمایاں اخلاقی تبدیلی نہیں پائی جاتی ان کو پختہ کرنے کی کوشش کی جائے اور پھر بھی جن کے اندر خامی رہ گئی ہو ان سے درخواست کی جائے کہ نظامِ جماعت سے باہر رہ کر ہر ممکن طریقہ سے ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ نیز آئندہ صرف انہی لوگوں کو جماعت میں لیا جائے جنھوں نے اچھی طرح جماعت کے مسلک کو سمجھ لیا ہو، جو دستور کی روح کو جذب کر چکے ہوں اور جن کے اخلاق اور سیرت میں ضروری تبدیلیاں نمایاں طور پر نظر آتی ہوں۔

اسی طرح جہاں دعوت کے طریقوں میں کوئی کمزوری پائی جاتی تھی امیرِ جماعت نے اس پر بھی گرفت کی اور تفصیل کے ساتھ بتایا کہ دعوت کا صحیح طریقہ کیا ہے نیز دعوت کی راہ میں جو مختلف رکاوٹیں اور مشکلات بیان کی گئی تھیں ان کو دور کرنے کی تدابیر کیا ہیں۔ مثلاً آپ نے ہدایت کی کہ عوام میں سرِدست صرف دین کی حقیقت اور دینداری کے اصل مفہوم کی تبلیغ کی جائے۔ آخری اور انتہائی مقتضیات کو پیش کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا جائے۔ فی الحال تمام تر زور توحید اور اطاعتِ خدا و رسول کی دعوت پر اور اس تبلیغ و تلقین پر صرف کرنا چاہیے کہ لوگوں کے اندر خدا کے سامنے اپنی جوابدہی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جائے۔ دعوت کے سلسلہ میں اس امر کا بھی خاص لحاظ رکھنا چاہیے کہ داعی اپنے آپ کو کسی خاص نظامِ جماعت سے وابستگی رکھنے والے مبلغ کی حیثیت سے پیش نہ کرے اور نہ نظامِ جماعت کی طرف اپنی تقریروں یا گفتگوؤں میں عام دعوت دے۔

جو لوگ تعلیم یافتہ طبقہ میں کام کریں انھیں بحث و مناظرہ کے بجائے لٹریچر کی اشاعت میں کوشش صرف کرنی چاہیے۔ ہر شخص جس سے سابقہ پیش آئے اس کی ذہنیت کو ملحوظ رکھ کر جماعت کے لٹریچر میں سے خاص خاص چیزیں ایک صحیح ترتیب سے اس کے مطالعہ کے لیے تجویز کی جائیں۔ اس کے بعد جن امور کی مزید تفہیم کی ضرورت پیش آئے ان پر

زبانی گفتگو کر لی جائے۔ لیکن جہاں گفتگو کا رُخ بحث و مناظرہ کی طرف مڑتا نظر آئے وہاں مزید پیش قدمی سے صاف انکار کر دینا چاہیے اور اپنے آپ کو داعی کشتی کے فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچانا چاہیے۔ جو لوگ دوسری جماعتوں کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں یا اپنے نظری معتقدات میں غلو رکھتے ہیں انھیں خواہ مخواہ کھینچنے اور اپنی بحثیں چھیڑنے سے سخت پرہیز کیا جائے جو ان کے اندر ضد پیدا کرنے والی ہوں۔

جہاں مخالفتیں اور رکاوٹیں پائی جاتی ہوں وہاں دیکھ لیا جائے کہ آیا یہ چیزیں کسی غلط فہمی کی بنا پر ہیں یا ہمارے مقصد اور مسلک کو ٹھیک جان لینے کے بعد قصداً مخالفت کی جا رہی ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو معقول طریقوں سے غلط فہمی کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے اور جہاں محسوس ہو کہ دوسری صورت ہے وہاں صبر جمیل سے کام لیا جائے۔

ان ضروری ہدایات کے خاتمہ پر امیر جماعت نے رفقاء سے کہا کہ "جو بات میں خاص طور پر آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تبلیغ صرف تقریر یا گفتگو یا تحریر ہی کے ذریعہ سے نہیں ہوا کرتی بلکہ اصل تبلیغ وہ ہوتی ہے جو ایک تخیل کے داعی اپنی پوری زندگی سے ہر آن کرتے رہتے ہیں بشرطیکہ ان کی زندگی اس تخیل کا مجسم ظہور اور اس کی زندہ شہادت بن گئی ہو۔ آپ جس تخیل کے داعی ہیں اگر اس کے سانچے میں آپ کی زندگی پوری طرح ڈھل جائے تو اُس تخیل کے خلاف چلنے والی دنیا میں آپ کی حالت ایسی ہوگی جیسے ایک گول سوراخ میں چوکھوٹی میخ جو اپنے پورے وجود سے ہر آن ہر زاویہ پر اُس گول سوراخ کے پورے وجود کے ساتھ متصادم ہوتی رہتی ہے اور ہر وقت اپنے اور اس کے اختلاف کا مظاہرہ کرتی رہتی ہے۔ یا جیسے برف خانہ میں چند دہکتے ہوئے انگارے جو اگر کوئی آواز بلند نہ کر رہے ہوں تب بھی ان کا وہاں محض موجود ہونا ہی بجائے خود برف کے تودوں کے خلاف مستقل اعلان جنگ ہے۔ اگر ان کے اردگرد کوئی آتش گیر مواد موجود ہوگا تو وہ کسی وعظ کے بغیر ان سے اثر لے کر مشتعل ہو جائے گا اور برف خانہ آتشکدے میں تبدیل ہو کر رہے گا۔ بے شعوری کے اسلام اور منافقانہ اسلام کا معاملہ تو دوسرا ہے لیکن جب کوئی شخص اخلاص کے ساتھ شعوری طریقہ سے اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی افکار، اخلاق، معیشت، معاشرت، تمدن، غرض ہر شعبۂ زندگی میں اپنے غیر اسلامی ماحول سے اس کا تصادم شروع

ہو جاتا ہے۔ اس کو یہ ماحول، اور اس ماحول کو وہ ہر وقت کھٹکتا ہے۔ اس کی پوری ہستی فضائے جاہلیت کے خلاف ایک احتجاج بن جاتی ہے اور اس فضا میں وہ اس طرح اجنبی و نامانوس ہو کر رہ جاتا ہے جیسے سیاہ چادر پر سفید دھبہ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کفر و جاہلیت کے مارے ہوئے ماحول میں آپ بھی کچھ بن کر رہ جائیں تاکہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں اس نظام کے ہر جزء سے ہر ہر قدم پر آپ کا تصادم ہو اور اپنے پورے وجود سے آپ اس کے خلاف ایک مستقل اعلان جنگ بن جائیں۔ یہ ہر آنی و ہر جہتی کشمکش اور یہ ہر لحظہ کا خاموش تصادم ہزار لفظوں، تقریروں اور مقالوں سے زیادہ وزنی ہے، بلکہ درحقیقت یہی اصل چیز ہے اور اس کے بغیر تبلیغ افکار کی مہم سرانجام نہیں پا سکتی۔

ان پر مغز مشوروں کے بعد آپ نے افکار کی ایک بڑی اور عام کمزوری کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ مختلف جماعتوں سے آنے والے لوگ اپنے ساتھ اپنی پچھلی گروہی اور سیاسی زندگیوں کے اثرات لے آئے ہیں۔ ان میں اب تک سابق جماعتی تعصبات کا اثر موجود ہے۔ مثلاً جو گروہ کانگرس سے نکل کر آیا ہے وہ اگرچہ کانگرس کے حق میں اثباتی تعصب نہیں رکھتا ہے لیکن لیگ کی مخالفت کا رجحان ان کے دماغوں میں واضح طور پر باقی ہے۔ یہی حال لیگ سے آنے والے حضرات کا ہے۔ پھر جو لوگ مخصوص مذہبی گروہوں سے ٹوٹ کر آئے ہیں ان میں بھی ان گروہوں کے خلاف اچھا خاصا تیز جذبۂ مخالفت پایا جاتا ہے جن سے لڑنے میں ان کی عمریں گزری ہیں۔ ان مختلف تعصبات کے حاملین جب کبھی مل بیٹھتے ہیں اور بحث و مذاکرہ کا سلسلہ چل نکلتا ہے تو بسا اوقات یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کی باہمی گفتگو میں سابق عصبیتوں کو اسی طرح تازہ نہ کر دیں جس طرح اوس و خزرج کے لوگوں میں منافقین کا چھوڑا ہوا ایک شوشہ جنگ بغاث کے اثرات تازہ کر دیتا تھا۔

اس تبصرہ کا سلسلہ تیسری نشست تک جاری رہا۔ اس کے بعد تیسری نشست میں صوبہ کے کام کی تنظیم کے متعلق مشورہ ہوا۔ مشورہ کے دوران میں اندازہ ہوا کہ اس امر کی ضرورت بہ شدت محسوس کی جا رہی ہے کہ صوبۂ بہار میں کم از کم ایک قیم جماعت ضرور ہونا چاہیے جو مستعد اور فرض شناس ہو اور مختلف مقامات کی جماعتوں اور متفرق ارکان کے ساتھ ربط ضبط رکھے، ان کی کارروائیوں سے واقف رہے، وقتاً فوقتاً ان کو جمع کرتا رہے اور کبھی کبھی خود ان کے پاس پہنچتا رہے۔ اس غرض کے لیے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی موزوں ترین ہو سکتے تھے لیکن افسوس ہے کہ ان کی صحت اس کی

اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے تجویز کیا گیا کہ بہار کی جماعتوں کے ارکان جلدی سے جلدی آپس میں مشورہ کر کے ایک قیم جماعت کا انتخاب کریں۔

دوسری چیز جس کے متعلق مختلف مقامی جماعتوں کے امراء کو ہدایت کی گئی یہ تھی کہ اپنے حلقہ کے ارکان کی صلاحیتوں کا صحیح صحیح اندازہ کر کے ان سے کام لیں اور جمعہ کے اجتماع کا شدت سے التزام کریں۔ جو لوگ بلا عذر معقول جمعہ کے اجتماع میں نہ آئیں ان کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ جماعت سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ جمعہ کے اجتماعات سے حسب ذیل طریقوں سے استفادہ کیا جائے:۔

۱۔ جماعت کی طرف سے شائع ہونے والے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے، نہ صرف تازہ شائع ہونے والی چیزوں کا بلکہ پرانی چیزوں کا بھی تاکہ ان کے مضامین بار بار ذہن میں تازہ ہوتے رہیں۔ خصوصاً دستور کو وقتاً فوقتاً اجتماعات میں پڑھا جاتا رہے۔

۲۔ پسماندہ رفقاء کو اٹھانے اور ابھارنے اور ہمدردی و اخلاص کے ساتھ ان کی کمزوری کو رفع کرنے کی سعی کی جائے۔

۳۔ دعوت کو مختلف حلقوں میں پھیلانے کی تدابیر پر غور و خوض کیا جائے۔

۴۔ ہر فرد نے پچھلے ہفتہ میں جو کام کیا ہو اس کو وہ پیش کرے اور دوسرے ارکان یا تو اس سے استفادہ کریں یا اگر اس کے طریق کار میں کوئی غلطی پائیں تو اس کی اصلاح کریں یا اگر اس کو مشکلات پیش آئی ہوں تو ان کا حل تلاش کریں۔

۵۔ دعوت کی راہ میں جو مزاحمتیں پیش آرہی ہوں ان کا جائزہ لیا جائے اور انھیں دور کرنے کی تدبیریں سوچی جائیں۔

۶۔ اگر مقامی جماعت میں کوئی صاحب درس قرآن کی اہلیت رکھتے ہوں تو ہفتہ وار درس ہو ورنہ تفہیم القرآن کی مدد سے کتاب اللہ میں بصیرت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ہفتہ وار اجتماع کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ارکان کو جماعت سے وابستہ رکھنے اور ان کے اندر تحریک سے دلچسپی اور باہمی تعاون کی روح کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس سے تغافل برتنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعت یخ بستہ ہو جائے گی، ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا کہ ہم میں سے کون لوگ تحریک سے واقعی دلچسپی رکھتے ہیں اور کون نہیں رکھتے، ہمارے ارکان ایک دوسرے سے اجنبی رہیں گے، ان کے درمیان نہ دوستی و رفاقت کا رشتہ مضبوط ہو سکے گا، نہ وہ جماعت کے کاموں میں تعاون کر سکیں گے، اور نہ ایک دوسرے کی اصلاح میں مددگار بن سکیں گے۔

تیسری چیز جس کی طرف امیر جماعت نے تمام رفقاء کو پورے زور کے ساتھ توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ انھیں اپنے عہد کی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے اور "ہر شخص کو اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا پورا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ کیا کام کر سکتا ہے، پھر جس کام کی اہلیت اسے اپنے اندر محسوس ہو اس کو انجام دینے میں بس لگ جانا چاہیے۔ یہ وقت وہ ہے جو ہم سے اپنی انتہائی حد وسع تک سعی و کوشش کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایک لمحہ کا انتظار کیے بغیر ہم میں سے ہر شخص اٹھے اور جس سے جو کچھ ہو سکتا ہے کرے۔ جو اہل علم ہیں وہ تخریب و تعمیر افکار کی مہم میں مصروف ہوں، جو اہل تعلیم ہیں وہ نئی نسل کی تیاری کے لیے مستعد ہو جائیں، جو ادیب ہیں وہ ادب کی مختلف راہوں سے نظام حاضر پر حملہ کریں اور نظام اسلامی کی دعوت پھیلائیں، جو مضمون نگار ہیں وہ اخباروں اور رسالوں میں اظہار خیال شروع کر دیں، جو بات چیت سے لوگوں پر اثر ڈالنے کی قوت رکھتے ہیں وہ انفرادی تبلیغ کی مہم میں مصروف ہو جائیں، جنھیں دیہاتیوں میں کام کرنے یا عوام کو خطاب کرنے کا تجربہ ہو وہ دیہات میں گھومیں اور عامۃ الناس کی اصلاح کے لیے کوشش کریں، جن کو اللہ نے بہتر معاشی حالات دیے ہیں وہ بیت المال کی تقویت کی فکر کریں۔ غرض کسی قوت کی ایک رتی بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ رہا یہ سوال کہ آپ کتنا کام کریں اور کس حد تک کریں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا بہترین فیصلہ آپ کا ضمیر ہی کر سکتا ہے آپ اتنا کام کریں اور اس حد تک کیے چلے جائیں جس کے بعد آپ کا ضمیر مطمئن ہو جائے کہ خدا جب آپ سے آپ کے وقت اور قوتوں کا حساب لیگا تو آپ اس کارنامۂ خدمت کو پیش کر کے مغفرت کی امید کر سکیں گے۔

آخر میں جناب فضل الرحمٰن صاحب (مونگیر) کی ایک سکیم زیر بحث آئی جس کا مفاد یہ تھا کہ ارکان جماعت کو مال حرام سے اجتناب کی وجہ سے جو مالی مشکلات پیش آتی ہیں انھیں دور کرنے کیلیے مختلف مقامات پر اس طرز کی کاروباری اسکیمیں عمل میں لائی جائیں کہ کچھ مالدار اور کچھ کارندے مل کر دولت فراہم کریں اور یہ دولت ایک مقررہ تناسب سے سرمایہ لگانے والوں، محنت کرنے والوں اور جماعت کے بیت المال پر تقسیم ہوتی رہے۔ اس طرح مختلف مقامات پر تبلیغی اور تعلیمی مراکز کو جاری کرکے کام کی رفتار تیز کی جا سکتی ہے۔

اس تجویز پر شاورتی گفتگو کچھ دیر تک ہوتی رہی۔ مولینا امین احسن صاحب نے اس سلسلہ میں ایک مختصر تقریر کی جس میں انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر ارکانِ جماعت باہم انفرادی طور پر معاشی امور میں ایک دوسرے کی معاونت کریں تو یہ نہایت احسن اور ضروری ہے بلکہ جہاں کوئی رکن معاشی مشکلات میں مبتلا ہو وہاں تمام ارکان کا فرض ہے کہ اس کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے جو کچھ وہ کر سکتے ہیں، کریں۔ لیکن جماعت کو اپنی جماعتی حیثیت میں اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت اور جدوجہد کے سوا کوئی کاروباری حرکت نہیں کرنی چاہیے۔ اگر ایک انقلابی جماعت ایک پہلو سے کاروباری ادارہ بھی بن جائے تو ایک تو اس کی مساعی بالکل تقسیم ہو کر رہ جائیں گی۔ دوسرے کچھ لوگ بلا کسی حقیقی جذبہ کے محض معاشی مفاد کی ہوس میں اس کے اندر جذب ہونا شروع ہو جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے اصل مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ اس خیال کی تائید جناب امیر نے بھی کی اور بغیر کسی ووٹنگ کے فضل الرحمٰن صاحب نے خود اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا اور اپنی اس تجویز کو جو بہت دنوں کے غور و خوض کے بعد مرتب کر کے لائے تھے، بلا تامل واپس لے لیا۔

دوسرے دن ارکانِ جماعت سے انفرادی تبادلہ خیالات جاری رہا اور ہر شخص اور ہر جماعت کو مقامی ضروریات کے لحاظ سے امیرِ جماعت نے مشورے اور ہدایات دیں۔

عام ملاقاتوں کے لیے ۲۳ اکتوبر کا دن مقرر کیا گیا تھا لیکن دربھنگہ اور دوسرے مقامات سے مختلف احباب ۲۲ کی شام سے ہی آنے لگے جن میں مسلم لیگ، امارتِ شرعیہ، جمعیۃ العلماء اور دوسری جماعتوں سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی شامل تھے۔ ان سے گھنٹوں امیرِ جماعت اور دوسرے رفقاء تبادلہ خیالات فرماتے رہے اور اپنے مسلک کی وضاحت اور ان غلط فہمیوں کی تردید کی جو مختلف حلقوں میں جماعت سے متعلق پائی جاتی ہیں۔ ان گفتگوؤں کا خلاصہ پیش کر دینا مشکل ہے۔ مختصراً دو تین باتوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بعض حلقوں کی طرف سے مسلمانوں میں یہ غلط فہمی بکثرت پھیلائی گئی ہے کہ ہم عام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس کا اثر دربھنگہ میں بھی پایا جاتا تھا۔

اگرچہ اس کی عملی تردید کے لیے یہ بات کافی تھی کہ ہم نے جمعہ کی نماز عام مسلمانوں کیساتھ ادا کی۔ لیکن اس پر بھی لوگوں کے لیے یہ سوال دریافت طلب ہی رہا اور جواب میں امیر جماعت نے لوگوں کو صاف صاف بتا دیا کہ یہ محض ایک بہتان ہے جو ہماری دعوت اصلاح میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے جان بوجھ کر لگایا جا رہا ہے۔ دوسرا شبہ عام طور پر مختلف جماعتوں میں یہ پھیلا ہوا ہے کہ ہماری ان سے براہ راست کوئی کشمکش ہے۔ اس سلسلہ میں بھی صاف صاف بتا دیا گیا کہ براہ راست کسی جماعت کے خلاف ہمارا کوئی معرکہ (Campaign) نہیں ہے۔ ہم جن امور میں مختلف جماعتوں کے مسلک سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی وضاحت لٹریچر میں کر دی گئی ہے۔ اب ہمارا اصلی تصادم کافرانہ نظام حیات سے ہے، محدود مقاصد پر کام کرنے والی جماعتی ہیئتوں (Political bodies) سے نہیں ہے۔

بہت سے لوگ اس بات کو بھی سمجھنا چاہتے تھے کہ اسلامی انقلاب برپا کس طرح ہوگا؟ اس کی توضیح کرتے ہوئے مولانا مودودی صاحب نے بتایا کہ آغاز ہمیشہ افکار کی تبدیلی اور ذہنیتوں کی نئی تعمیر سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک اصولی جماعت کو اپنے نصب العین کی طرف بڑھنے کے لیے وہ مشکلات پیش نہیں آتیں جو ایک قومی گروہ کو پیش آتی ہیں۔ ایک قوم کے لیے تو جنگ کا یہ سوال بڑا اہم ہے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ کیلیے تربیت یافتہ آدمی اور سامان کہاں سے لائے۔ لیکن ایک اصولی جماعت کے لیے یہ سوالات اہمیت نہیں رکھتے۔ اس کے لیے تو صرف یہ سوال اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی دعوت کو جو لوگ لیکر اٹھیں وہ اپنے اصولوں پر اعتقادی اور عملی طور پر سچا ایمان رکھنے والے ہوں جس کے ذریعہ سے حریفوں کے دل اور دماغ مفتوح ہو سکتے ہوں۔ اس طرح جب دعوت اس منزل پر پہنچتی ہے جہاں نظام حاضر سے اس کا مسلح تصادم ہونے لگتا ہے تو اسے تمام ساز و سامان اور ہر قسم کے تربیت یافتہ آدمی خود نظام حاضر ہی سے ملتے چلے جاتے ہیں۔ اسے آدمی بنانے نہیں پڑتے بلکہ بنے بنائے آدمیوں کو مسخر کرنا ہوتا ہے۔

"حلقۂ مطالعۂ اسلامی" کی طرف سے عام جلسہ کا اہتمام کیا گیا تھا اور پروگرام یہی تھا کہ جناب امیر عوام کو بھی خطاب کریں۔ اس پروگرام کے مطابق بہت سے لوگ محض مولانا کی تقریر سننے کے لیے آئے تھے مگر افسوس ہے کہ منتظمین جلسہ کا پروگرام بدلنا پڑا اور مولانا کی تقریر نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دربھنگہ میں ایک گروہ چند روز پہلے سے فتنہ انگیزی میں مشغول تھا اور اس بات کا امکان تھا کہ یہ لوگ جلسۂ عام میں افتراق برپا کرنے کی کوشش کرینگے۔ یہ حالات دیکھ کر امیر جماعت نے جلسہ میں شرکت سے معذرت ظاہر کی کیونکہ انکا منشا یہ تھا کہ فتنہ سے اجتناب کیا جائے اور جو لوگ ہماری دعوت کو سننا نہ چاہتے ہوں ان کے کانوں میں حق کی آواز کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش نہ کی جائے۔ چنانچہ ان کے بجائے اجلاس عام میں ملک نصر اللہ خان عزیز صاحب مدیر "مسلمان" لاہور نے تقریر کی جو بہ حیثیت مجموعی کامیاب رہی۔